© rasailojaraid.com

جناب پروفیسر شیخ محمد صدیقی

شہیدِ آزادی
سیّد احمد شہیدؒ

۱۹۴۷ء میں ہندوستانی عوام نے غیر ملکی تسلط اور غلامی سے نجات حاصل کر کے آزادی کی فضا میں سانس لیا۔ یہ پرامن انقلاب تھا جو ۱۹۴۷ء میں وقوع پذیر ہوا۔ انتقال اختیارات کا عمل بغیر کسی خون خرابے کے پورا ہو گیا۔ لیکن یہ کامیابی نہ ایک دن میں حاصل ہوئی اور نہ قربانی کے بغیر۔ اور دنیا کا کونسا بڑا مقصد ہے جو بڑی قربانیوں کے بغیر حاصل ہوا ہو۔ اس میں بظاہر پرامن انقلاب کے پیچھے قربانیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ ہندوستانی عوام نے غیر ملکی استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک عرصے تک جد و جہد کی۔ استخلاص وطن کے لئے بڑی سے بڑی قربانیوں سے دریغ نہیں کیا۔ جابر و مستبد قوتوں کے سامنے سر جھکانے کے بجائے سر کٹانے کو ترجیح دی۔ ہزارہا لوگوں نے خوشی خوشی پھانسی کے پھندوں کو چوم لیا۔ سنسناتی ہوئی گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور جہادِ آزادی کی شمع کو اپنے خون سے روشن کرتے رہے۔

جنگِ آزادی کا وہ حصہ جو بیسویں صدی سے متعلق ہے خون آلودہ نہیں ہے۔ اس دور میں عوام اور ان سے زیادہ خواص مغلوبیت کا شکار ہو چکے ہیں۔ اقتدار میں شرکت کے مطالبوں کے ساتھ آئینی حدود کے اندر رہ کر خود اختیاری اور آزادی کے مطالبات کئے جا رہے ہیں۔ جابر قوتوں کی خون آشامی بھی ختم ہو چکی ہے صرف یہ نہیں کہ بین الاقوامی طور پر ایسے حالات پیدا ہو چکے تھے جن میں خون ریزی کی عالمی سطح پر مذمت کی جانے لگی تھی اور ہر حکومت خون ریزی سے اپنا دامن بچانے لگی تھی۔ جب کہ یورپی ممالک میں ایسی کشمکش شروع ہو چکی تھی کہ کوئی بھی حکومت اپنے ملک یا اپنی نوآبادیات میں خلفشار کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی اور اس سے بھی زیادہ صحیح یہ ہے کہ خون مشرق کی ارزانی نے ان کی پیاس ہی کو ختم کر دیا تھا اور حریت پسندوں کو دبانے اور کچلنے کے لئے صرف قید و بند کی سزاؤں کو ہی کافی سمجھا جانے لگا تھا لیکن انیسویں اور اٹھارھویں صدی کی جد و جہد کی داستان خون سے رنگین ہے۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت کو پہلی جنگ آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسا کہنا اس سے پہلے کی تاریخ کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ آخری مسلح منظم جنگ تھی جس میں شکست کھانے کے بعد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل ہند کے حوصلے پست ہو گئے۔ آخری مغل تاجدار کو قید کر کے جلاوطن کر دیا گیا اور مغل سلطنت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی۔ مغل سلطنت اور مغل حکمران جن کو ابھی تک برطانوی حکمران ایک آڑ کے طور پر استعمال کر رہے تھے اور جو ابھی تک اہل ہند کے لئے مرکزیت کا نشان تھے نظر سے ہٹا دئے گئے۔ وحشت و بربریت کا ننگا ناچ ہوا۔ اور برطانوی استبداد نے وہ مظالم ڈھائے جو چشم آفتاب نے ان کی مثال کم دیکھی ہوگی۔ جائیدادیں ضبط ہوئیں۔ حویلیاں ڈھائی گئیں۔ بستیاں برباد کر دیں گئیں۔ چوراہوں پہ سولیاں گاڑ دی گئیں اور ہزارہا لوگوں کو پھانسی دی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ پھانسی پانے والوں میں صرف علمار کی تعداد دس ہزار سے متجاوز تھی۔ ۱۸۵۷ء کے اس محاربہ کو اس لئے بھی زیادہ اہمیت حاصل ہوئی کہ اس وقت ہندوستان کی بہت سی چھوٹی بڑی قوتیں ایک فیصلہ کن جنگ کے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور ناکامی کے بعد ان کے پاس یاس و حسرت کے سوا کچھ نہ تھا لیکن تاریخ پر نظر ڈالئے تو ۱۸۵۷ء تک اہل ہند کو غیر ملکی تسلط کے خلاف لڑتے لڑتے ایک صدی گذر چکی تھی۔ یہ درست ہے کہ ان جنگوں کی حیثیت علاقائی تھی۔ لیکن خود انگریزوں کے اثرات بھی علاقائی تھے۔ جن سے باہر یا تو وہ تاجر تھے یا ہندوستانی ریاستوں کی آڑ میں مطلب برآری کر رہے تھے۔ مگر بعض عقابی نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ یہ علاقیت چند روزہ ہے۔ اگر ان کے بڑھتے ہوئے اثرات کو نہ روکا گیا تو یہ عنقریب دھیرے دھیرے ساری ریاستوں کو نگل جائے گا۔

سراج الدولہ کی طرف سے پہلی منظم کوشش تھی کہ انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار، ان کے ظلم و تعدی اور ان کے استحصال کو روک دیا جائے اور وہ بنگال میں اپنی حاکمیت قائم نہ کر سکیں لیکن عیاری اور لالچ کا برا ہو کہ اس کے بہت سے امرار انگریزی رشوتوں کا شکار ہو گئے۔ میر بخشی، میر جعفر، حاکم کلکتہ مانک چند، امی چند اور جگت سیٹھ وغیرہ نے غداری کی اور سراج الدولہ کو پلاسی کے میدان میں شکست ہوئی۔ اس فتح کے بعد انگریزوں کو نہ صرف کروڑہا کروڑ روپے لوٹ کھسوٹ میں حاصل ہوئے بلکہ ان کے لئے شمالی ہند کا دروازہ کھل گیا۔

۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کی شکست نے جنوبی محاذ کو صاف کر دیا اور اس شہید حریت کی خون آلود لاش کو دیکھ کر انگریز افسر خوشی سے چلا اٹھے "آج ہندوستان ہمارا ہے"

۱۸۰۰ء میں انگریز فوجوں نے دہلی پر یلغار کی تو دہلی کی حفاظت کے لئے مرہٹے سینہ سپر ہو گئے لیکن تمام قوتوں کو شکست دے کر لارڈ لیک کی ماتحتی میں ان فوجوں نے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا۔ پیشوا کو اس سے پہلے ہی دبا کر معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جس کی رو سے انگریزوں کی ایک فوج اس کے علاقہ میں رہنے لگی تھی۔ سیندھیا کی فوجوں کو دہلی میں شکست ہو گئی تھی۔ امیر علی خان اور ہلکر انگریزی اقتدار پہ بھاری ضرب لگا رہے تھے ان کو بھی کمزور کر دیا گیا۔ مگر اس وقت نہ بادشاہ کو معزول کیا گیا۔ نہ تاج اور تخت چھینا گیا۔ نہ ہندو مسلمانوں کے معاشرتی اور مذہبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امور میں مداخلت کی گئی۔ بلکہ ہندوؤں کے سماجی معاملات پنڈتوں کے اور مسلمانوں کے معاشرتی معاملات "قاضیوں کے سپرد کر دئے۔ بس کاروبار کے اختیارات جو ہندو یا مسلمان امراء اور وزراء کے سپرد ہوتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے تسلیم کرا لئے گئے، اسی کی تعبیر وہ فقرہ تھا جو اس دور کے پورے نظام کی تصویر پیش کرتا ہے "یعنی خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا"۔ اس صورت حال سے اہل قلعہ نے بھی سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اور عوام الناس نے بھی۔ خواص کے بعض طبقوں کو بھی مذہب، تہذیب اور بادشاہ کے بھی محفوظ ہونے کے پیش نظر عافیت مصالحت میں ہی نظر آنے لگی تھی۔ لیکن بعض دور اندیش حضرات جن کی دوربین نگاہیں مستقبل کی پرچھائیوں کو دیکھ رہی تھیں اور اس صورت کے عواقب کو سمجھ رہی تھیں، سخت مضطرب تھے اور بے بسی کے شدید ہیجان میں مبتلا تھے۔ اسی دوران شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کا وہ مشہور فتویٰ سامنے آیا جس سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا۔ ان فتاویٰ کے بارے میں مولانا سید محمد میاں رقمطراز ہیں :-

" فتوے کی زبان مذہبی ہے کہ " دارالحرب " کا اصطلاحی لفظ استعمال کیا گیا ہے، مگر روح سیاسی ہے اور مطلب یہ ہے کہ چونکہ :-

۱۔ قانون سازی کے جملہ اختیارات عیسائیوں کے ہاتھ میں ہیں۔

۲۔ مذہب کا احترام ختم ہے۔

۳۔ اور شہری آزادی سلب کر لی گئی ہے۔

لہذا ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس اجنبی طاقت سے اعلان جنگ کر دے اور جب تک اس کو ملک بدر نہ کر دے اس ملک میں زندہ رہنا اپنے لئے حرام جانے۔"[1]

اس فتویٰ کا اثر کیا ہوا۔

" عام مسلمان جو انگریزوں کے تیز رفتار اقتدار سے حیرت میں رہ گئے تھے اور اپنے اندر ایسی صلاحیت نہیں رکھتے تھے کہ مذہب کی روشنی میں فیصلہ کر سکیں کہ اس اقتدار کے مقابلہ میں ان کا طرز عمل کیا ہو۔ ان کے لئے ایک راستہ کھل گیا جس کا فوری اثر یہ ہوا کہ باہمت جنگجو طبقہ جا بجا اس طاقت سے وابستہ ہو گیا۔ جو اس وقت انگریزوں سے برسرپیکار تھی۔ یہ طاقت اس وقت صرف مرہٹوں کی تھی۔

چنانچہ اس دور میں مسلمانوں اور مرہٹوں کی پرانی جنگ ختم ہو گئی۔ اور صرف اتنا ہی نہیں

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۸۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا کہ مرہٹی علاقوں کے مسلمان مرہٹوں کی فوج میں شامل ہو کر آخر تک انگریزوں سے لڑتے رہے
بلکہ شمالی ہند کے بھی بہت سے مسلمان ان علاقوں میں پہنچے اور مرہٹوں کے ساتھ انگریزوں کی
جنگ میں شریک ہو گئے۔ خود حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے خاص معتقد اور مرید
سید احمد صاحب کو امیر علی خان سنبھلی کے پاس بھیجا جو جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ ایک عرصہ سے
انگریزی طاقت پر شب خون مارتے رہے[1]

یہ گویا شاہ صاحب کے فتوے کی عملی تعبیر کا آغاز تھا جس کو انجام تک پہنچانے کی کوشش میں سید احمد صاحب نے اپنے بہت سے جانباز ساتھیوں کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔

سید احمد رائے بریلی میں ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو پیدا ہوئے[2] ان کا خاندان اپنے تقدس اور بزرگی کے اعتبار سے پورے اودھ میں خاص اہمیت رکھتا تھا لیکن بچپن میں وہ رسمی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہو سکے صرف قرآن شریف کو ذوق و شوق سے پڑھا اور اسی سے ان کے دماغ میں یہ بات بیٹھی۔

"انسان دنیا میں ذاتی اغراض میں پھنسے رہنے اور ذاتی نفع کو ملحوظ رکھنے کے لئے پیدا نہیں ہوا۔
بلکہ منشاء الٰہی انسان کی پیدائش سے صرف یہ ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی خدمت کرے اور
خدا کی مخلوق کی بہتری اور ترقی دینے میں جمیل کوشش عمل میں لائے۔"

سترہ برس کے ہوئے تو والد کا انتقال ہو گیا۔ تلاش معاش میں لکھنؤ پہنچے مگر وہاں کے معاشرتی حالات سے نالاں ہو کر وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور دہلی پہنچ کر شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں کم و بیش دو سال رہے اس دوران شاہ صاحب سے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کئے۔ اور پھر اپنے مرشد کی ہدایت کے مطابق امیر علی خان کے لشکر میں شامل ہو گئے یہ گویا ان کی پرجوش اور سپاہیانہ طبیعت کی تسکین کا سامان اور ان کی پہلی جنگی تربیت گاہ تھی۔ خانقاہی زندگی سے جنگ آزمائی کیوں بھیج دیئے گئے؟

دہلی پر انگریزی اقتدار قائم ہو چکا تھا جس کے خلاف جہاد کرنا شاہ عبدالعزیزؒ کے نزدیک فرض عین تھا اسی کے لئے انہوں نے سید صاحب کو تیار کیا تھا۔ امیر علی خان نے معمولی سپاہی کی حیثیت سے زندگی شروع کی لیکن دھیرے دھیرے انہوں نے اپنی فوج تیار کر لی۔ وہ جسونت راؤ ہلکر کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف مورچے لے رہی تھی۔ ان کے ساتھ شامل ہونا گویا ایک مذہبی فریضہ ادا کرنا تھا۔ سید صاحب نے وہاں جا کر نہ صرف عملی زندگی کا تجربہ کیا اور جنگی تدبیروں سے واقفیت حاصل کی۔ بلکہ پورے لشکر میں اصلاح و تبلیغ کا کام بھی جاری رکھا لیکن جب ۱۸۱۸ء میں امیر علی خان

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ سیرت سید احمد شہید [2] مرزا حسرت دہلوی۔ حیات طیبہ ص ۴۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و انگریزوں سے صلح کرنے پر مجبور ہونا پڑا تو سید صاحب ان کا لشکر چھوڑ کر دہلی آ گئے۔ اب وہ درویش ہی نہیں تھے بلکہ ایک آزمودہ کار سپاہی بھی تھے۔ اسی دوران شاہ عبدالعزیزؒ کے بھتیجے شاہ اسماعیلؒ اور داماد مولانا عبدالحئیؒ نے سید احمد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ دونوں حضرات اپنے دور کے عالم اجل اور خطیب بے بدل تھے۔ علوم دینی و عقلی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے گویا سید صاحب کے رسمی علم کی تلافی ان حضرات کی شرکت سے ہونا تھی۔ یہ بیعت صرف اخلاقی و روحانی نہ تھی۔ بلکہ یہ انقلاب آفریں پروگرام کا آغاز تھا۔ بقول مولانا محمد میاں :-

حضرت سید احمد صاحبؒ کے زیر قیادت ایک گروپ بنایا گیا۔ مولانا عبدالحئیؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحب اس گروپ کے اہم ترین رکن اور سید صاحبؒ کے مشیر خاص قرار دیئے گئے ان تینوں حضرات کی سب کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔

۱۔ ملک بھر میں دورہ کر کے روح انقلاب پیدا کریں۔

۲۔ رضاکار بھرتی کریں اور ان کو فوجی ٹریننگ دیں۔

۳ مالیہ فراہم کریں۔ ۴۔ دیگر ممالک سے تعلقات پیدا کریں۔ ۵۔ فوجی کارروائی۔ باضابطہ جنگ ،، [لہ]

ان مقاصد کے حصول کے لئے پچیس افراد پر مشتمل قافلہ ۱۸۰۸ء میں دہلی سے روانہ ہوا۔ اور ان آزادی کے پروانوں کے پاس دنیاوی اسباب میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن خدا پر کامل یقین، مقصد کی سچی لگن، ضبط و تحمل اور قربانی و ایثار کی بے پناہ دولت ان کے پاس تھی۔ یہ دورے ملک و بیرون ملک سات سال تک جاری رہے اور لوگ ساتھ ہوتے گئے اور قافلہ بنتا گیا۔ عبیداللہ سندھی نے ان دوروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دورہ بیعت طریقت کے لئے۔ دین کی فہم، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ کی تلقین اس کا خاص مقصد تھا۔ یہ دورہ ۱۸۱۹ء میں ختم ہوا۔ اور دوسرا دورہ بیعت جہاد کے لئے ہوا۔ ان دوروں میں طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ جسمانی مشقتوں سے لے کر فاقہ کشی تک تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ مگر جن لوگوں نے ایک مرتبہ بیعت کی وہ ان سب کو خوشی خوشی جھیلتے رہے۔ مریدوں کے حلقے میں ذکر و مراقبے کے بجائے فنون حرب کی مشق ہونے لگی۔ سید صاحب فرماتے تھے۔

"جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار لگاؤ۔ پیٹ بھر کر کھاؤ اور اسلحہ کے استعمال کی مشق کرو اس سے بہتر کوئی فقیری اور درویشی نہیں "

اسی دوران اپنے مرشد کی ہدایت پر آٹھ سو ساتھیوں کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے بھی گئے۔ یہ ایک فریضہ دینی تو تھا ہی لیکن اس کے اور بھی بہت سے مقاصد و مصالح تھے۔

لہ علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۸۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- اس خیال باطل کی تردید کہ اہل ہند سے فریضۂ حج ساقط ہو چکا ہے۔

۲- جماعتی تنظیم کی عملی تربیت

۳- ایک ایسی جماعت کی تربیت جو عقیدتاً اور عملاً اسلامی سانچے میں ڈھل چکی ہو تاکہ انقلاب ان ہی کے ہاتھوں برپا ہو۔

۴- یورپی طاقتیں نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا کو نرغہ میں لے کر روند رہی ہیں۔ ان کے خلاف ایشیائی قوتوں کو مجتمع کرنے کی کوشش فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد ۱۸۲۴ء میں اپنے وطن پہنچے اس دوران ہزارہا لوگوں نے بیعت کی

اس سے پورے شمالی ہند میں اخلاقی و سماجی بیداری کے ساتھ ساتھ سیاسی بیداری اور انقلاب کی داغ بیل پڑ گئی جو لوگ اب تک بے حسی کے ساتھ حالات کا شکار تھے اب ان کو محسوس کرنے لگے جو بے بسی کے ساتھ ان کو دیکھ رہے تھے کچھ کرنے کی لگن سے بے تاب ہو گئے۔ ناامیدی امید سے اور پست ہمتی حوصلہ سے بدلنے لگی۔ شاہ ولی اللہ نے جس مکمل انقلاب کا نظریہ پیش کیا تھا۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہر طرح کی جانی و مالی قربانی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جگہ جگہ ایسے افراد تیار ہو گئے جنہوں نے تحریک انقلاب کی زمام اپنے ہاتھ میں لی۔ اور اس طرح کلکتہ سے دہلی بلکہ پٹنہ اور ٹونک انقلاب پسندوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ یہ نری مہم جوئی یا اقتدار پسندی نہیں تھی۔ اس لئے اصلاح نفس و اصلاح معاشرت کا عمل بھی جاری تھا۔ اس دوران جو فضا پیدا ہو گئی تھی اس کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں:-

"پہلے جو چیز خواب و خیال تھی۔ اب ان کو حقیقی روشنی نظر آنے لگی تھی۔ جس میں انہوں نے اپنی آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اصلاحی جھنڈا گاڑتے اور صلیب کو انگریزوں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا۔"[۱]

یہ سب زمین ہموار ہونے اور کسی حد تک سامان حرب و ضرب بہم پہنچ جانے کے بعد مسئلہ یہ تھا کہ آغاز کار کہاں سے ہو۔ کوئی ایسا مقام نقطۂ آغاز نہیں ہو سکتا تھا۔ جہاں ہر طرف اغیار سے گھر جائیں۔ کمک نہ پہنچ سکے، راستے مسدود ہو جائیں۔ کامیابی کی صورت یہ نظر آتی تھی کہ ہندوستان کے شمال مغربی سرحد کے علاقہ کو اپنا مستقر اور خروج کا مرکز بنایا جائے یہ علاقہ کئی وجوہ کی بنا پر عسکری اہمیت کا حامل تھا، دور تک مسلم ریاستوں کا سلسلہ تھا۔ جن سے بڑی امداد ملنے کی توقع تھی۔ خود اس علاقہ کی آبادی ایسے قبائل پر مشتمل تھی جن کی حریت پسندی ضرب المثل تھی لیکن پنجاب کی سکھ حکومت کے ہاتھوں ان کے ناک میں دم تھا۔ پھر بھی وہ آپس میں ہی ایک دوسرے سے برسرپیکار رہنے کی وجہ سے اپنی قوت کو ضائع کر رہے تھے ان کو متحد و منظم کر کے ایک ایسی عسکری قوت حاصل ہو سکتی تھی جس کے ذریعہ استخلاص وطن کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا تھا۔

---

[۱] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زماں شاہ نے اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندوستان پر یلغار کر کے پنجاب کے میدانوں کو روند ڈالا تھا۔ اس کے طوفان کو روکنا نہ مرہٹوں کے بس کی بات تھی، نہ تخت دہلی کی۔ اس کے قدم اگر ایک بار دہلی میں جمتے تو انگریزوں کی پیشقدمی کے امکانا معدوم ہو جاتے۔ لیکن اسی دوران افغانستان میں خانہ جنگی شروع کرا دی گئی اور زماں شاہ کو واپس جانا پڑا۔ وہ ۱۷۹۹ء میں واپس جاتے ہوئے رنجیت سنگھ کو پنجاب کی گورنری کا پروانہ لکھ کر دے گیا تھا۔ اس کے زوال کے بعد رنجیت سنگھ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور ارد گرد کی چھوٹی چھوٹی سکھ اور مسلم ریاستوں کو ختم کر کے بڑی سلطنت قائم کی۔ اور مہاراجہ کا لقب اختیار کیا۔ انگریزوں نے اس کی حکومت کو اپنا حلیف بنا لیا اور اپنی تدبیر گری سے سکھوں کو پہلے سندھیا کے مقابلہ پر کھڑا کر کے مرہٹہ قوت کو کمزور کرایا اور پھر سکھ حکومت کا رخ شمال کے پٹھانوں کی طرف موڑ دیا تاکہ خود انگریز شمال مغرب کے خطرے سے بے نیاز ہو کر مفتوحہ علاقوں کو مستحکم کر سکیں۔

حریت پسندوں کے اس قافلے کا پنجاب سے گزر کر سرحدی علاقہ تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے راجستھان کے طویل اور دشوار گذار راستے کو اختیار کیا گیا۔ گوالیار کی مرہٹہ ریاست اور ٹونک کی مسلم ریاست میں پذیرائی بھی ہوئی اور امداد بھی ملی۔ دس ماہ کا طویل سفر کر کے کوئٹہ سے کابل ہوتے ہوئے یہ قافلہ پشاور پہنچا۔ یہ انتظام بھی رکھا گیا کہ وسط ہند کے علاقوں سے کمک اور مال کی امداد برابر ملتی رہے۔

۱۸۲۷ء میں عارضی آزاد حکومت کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ تمام اہل قافلہ نے سید احمد صاحب کو اپنا امیر مقرر کیا اور مختلف شعبہ ہائے نظام کے لئے مختلف افراد کو مقرر کیا گیا۔ تعاون و امداد کے لئے ایران و افغانستان میں سفارتیں بھیجی گئیں۔ سفیروں کے ذریعہ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بھی رابطہ قائم کیا گیا۔ قائدین کے سامنے ہر چیز سے زیادہ ضروری تنظیم و اصلاح کا کام تھا۔ لیکن یہاں پہنچ کر ابھی سکون کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ سکھوں کی فوجوں سے تصادم شروع ہو گیا۔ بے سروسامانی کے باوجود کئی جنگوں میں کامیابی ہوئی۔ کافی علاقہ زیر نگیں آ گیا۔ عشر کا نظام قائم کر کے مالیات کا بھی انتظام ہو گیا۔ لیکن اس صورت حال سے اصل مقصد دور ہو رہا تھا۔ مختلف والیان ریاست اور خاص طور پر سکھ حکومت کے ذمہ داروں کو جو خطوط اس دوران لکھے گئے ان سے ان حضرات کا عندیہ معلوم ہوتا ہے

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی افواج کے جنرل بدھ سنگھ کے نام خط سے یہ چند سطور ملاحظہ ہوں۔

"خدا گواہ ہے۔ ہمارا منشا نہ دولت جمع کرنا ہے۔ نہ اپنی حکومت قائم کرنا ہے۔ ہم خدائے بالا و برتر کے ناچیز بندے ہیں۔ نہ بندگانِ خدا پر جبر و قہر کا کوئی وسوسہ ہمارے دل میں ہے اور نہ کسی کی حکومت چھین لینے کا کوئی جذبہ۔ ہمارا منشا وطن کو آزاد کرانا ہے اور بس۔ اور یہ اس لئے کہ تقاضائے مذہب یہی ہے اور اسی میں رضائے مولا متصور ہے۔"[۱]

---

[۱] علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۹۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید احمد صاحب کے منشا کی مزید تفصیل اس خط میں ہے جو گوالیار کے مرہٹہ سردار راجہ ہندو راؤ کو لکھا گیا وہ لکھتے ہیں :-

" جناب کو خوب معلوم ہے کہ وہ بیگانے اور اجنبی جو وطن عزیز سے بہت دور کے رہنے والے ہیں دنیا جہاں کے بادشاہ بن گئے ہیں اور سودا بیچنے والے دکاندار بادشاہت کے درجے کو پہنچ گئے ہیں۔ بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بلند مرتبہ رؤسا کی ریاست کو برباد کر دیا گیا ہے۔ ان کی عزت اور ان کا اعتماد بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ چونکہ وہ لوگ جو ریاست و سیاست کے مالک تھے گوشۂ گمنامی میں بیٹھ گئے ہیں۔ ناچار چند بے سر و سامان فقیر کمر ہمت کس کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ کمزوروں کی یہ جماعت محض اللہ کے دین کے تقاضے سے اس خدمت کے لئے کھڑی ہو گئی ہے۔ یہ لوگ جاہ طلب دنیا دار نہیں ہیں۔ بلکہ مذہبی اور اخلاقی فرض سمجھ کر اس خدمت کے لئے اٹھے ہیں۔ مال و دولت کا قطعاً کوئی لالچ نہیں۔ جس وقت ہندوستان کا میدان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا اور ہماری کوششوں کا تیر مراد کے نشانے پر پہنچ جائے گا۔ حکومت کے عہدے اور منصب ان کے سپرد ہوں گے جو اس کے مستحق ہوں گے اور انہی کی عظمت و شوکت کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گے ہم کمزوروں کو بڑے بڑے رؤسا اور بلند مرتبہ عمائدین سے صرف اتنی بات درکار ہے کہ اہل اسلام کو ان کا دلی تعاون حاصل رہے گا اور مسند حکومت ان کو مبارک ہو۔"[1]

اس علاقہ کے بہت سے قبائل، جرگوں اور خوانین نے سید احمد صاحب کی امارت کو تسلیم کر کے بیعت کی۔ چند ہفتوں کے اندر اندر مجاہدین کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی[2] سید صاحب کے ساتھ جو لوگ ایک عرصے سے رہ رہے تھے اور ان کے دامنِ تربیت میں کچھ دن زندگی گذار چکے تھے ان کے اندر للہیت، حق پرستی، صداقت شعاری، اخلاص رضا بالقضا۔ صبر و تحمل اور ایثار، قربانی کے جذبات بدرجہ اتم پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن ملکی خوانین ہیں سب نے صدق دل سے ساتھ نہیں دیا۔ اس جدوجہد کے پہلے سال ہی درانی سردار یار محمد خان نے سکھوں سے سازباز کر کے اس مشن کو ناکام بنانے کا پورا بندوبست کر دیا۔ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے پشاور کا باجگذار حاکم تھا۔ بظاہر اپنی آزادی کا اعلان کیا اور سید صاحب کے ساتھ شامل ہو گیا۔ لیکن اس کی نیت صاف نہیں تھی۔ پہلے عین جنگ کے موقعہ پر سید صاحب کو زہر دلوایا۔ لنگڑا ہاتھی ان کی سواری کے لئے مہیا کیا اور پھر جب مجاہدین کو کامیابی حاصل ہو رہی تھی

---

[1] علمائے ہند کا شاندار ماضی ج ۲ ص ۱۹۳   [2] سیرت سید احمد شہید ج ۲ ص ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میدانِ جنگ سے اپنے بیس ہزار کا لشکر لے کر فرار ہو گیا جس سے افراتفری پھیل گئی۔ اور میدانِ جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ سخت نقصانات اٹھانا پڑے۔ اس طرح کی دغابازیوں کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ اس علاقہ کے لوگ حریت پسندی کی اعلیٰ صفت کے باوجود کسی ضبط و تنظیم کے عادی نہ تھے۔ جنگ جوئی ان کی سرشت تھی۔ لیکن عسکری نظم سے وہ بالکل بیگانہ تھے۔ اسلامی اصولوں پر مبنی عدل و مساوات اور جمہوریت کا جو نظام سید صاحب کرنا چاہتے تھے وہ نہ ان کی طبیعت سے میل کھاتا تھا نہ ان کی خود غرضیوں کی تسکین کر سکتا تھا۔ بلکہ اس سے ان کے پندار و غرور کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ پھر انگریزوں نے بڑی چالاکی سے مذہبی اشتباہات پیدا کر دئے اور بہت سے خوانین اس لشکر مجاہدین سے بدظن ہو گئے۔ یہاں تک کہ سازش کر کے ایک شب میں تمام علاقہ میں متعینہ منتظمین، عمال و حکام کو قتل کر دیا گیا۔ اس میں تقریباً چار ہزار جانیں ضائع ہوئیں۔ اور یہ سب ہندوستان سے آئے ہوئے تربیت یافتہ حضرات تھے۔ سید صاحب کے پیغام کی مقبولیت کے باعث قوت میں اضافہ بھی ہوا۔ لیکن ان عوارضات و موانعات کے نتیجہ میں یہ قوت مجتمع ہوئی وہ سب سکھوں کے ساتھ جنگ میں صرف ہو گئی۔ اور جب اہلِ سرحد کی ان غداریوں سے مایوسی ہوئی تو سید صاحب نے ان علاقوں سے نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ اور مخلصین کی جماعت کو لے کر کوچ کیا۔ بھاری آلات جنگ توپ وغیرہ چھوڑ دئے۔ کیونکہ اب مقصد جنگ کرنا نہیں تھا۔ بلکہ دشوار پہاڑی راستوں سے گذر کر کسی ایسے مقام پر پہنچنا تھا جہاں اپنوں کی منافقانہ چالوں اور غداریوں سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن رہبروں کی عیاری سے سکھوں کے بڑے لشکر کے درمیان گھر گئے اور بالاکوٹ کے مقام پر وہ آخری معرکہ پیش آیا جس میں ۷ مئی ۱۸۳۱ء کو سید صاحب اور ان کے مخلص مرید مولانا محمد اسمٰعیل اور بہت سے دیگر جاں نثاروں نے جام شہادت نوش کیا ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اور ساری تحریک کا شیرازہ بکھر گیا۔

انگریز کی شاطرانہ چالیں کہئے یا حالات کی ستم ظریفی کہ سکھوں نے توسیع سلطنت کے جوش میں اپنی قوتیں پٹھانوں کو زیر کرنے میں صرف کر دیں۔ پٹھان اور حریت پسند مجاہدین سکھوں سے ٹکرا کر ختم ہوئے۔ اور کچھ ہی عرصے بعد پنجاب بھی انگریزوں کے زیرِ نگیں آ گیا اور صوبہ سرحد بھی۔ یعنی "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی ڈپلومیسی کا یہاں بھی اسی طرح بھرپور مظاہرہ ہوا جیسے ہندوستان کی بہت سی ریاستوں کے ساتھ ہو چکا تھا۔

جیسا کہ شروع میں لکھا جا چکا ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ کی ہدایت کے مطابق سید احمد صاحبؒ اور ان کے ساتھیوں نے ۱۸۱۸ء سے ۱۸۲۱ء تک شمالی ہند کے مختلف علاقوں کے دورے کئے۔ اصلاحِ رسوم اور تبلیغ دین کے ساتھ عوام الناس میں آزادی کی روح پھونکی اس کے نتیجہ میں

۱۔ لوگوں کی بڑی تعداد سید صاحب کے ساتھ ان کی آزاد فوج میں شامل ہو گئی اور یہ سلسلہ اس وقت بھی جاری رہا

(باقی ملاحظہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئی کارمینا نظامِ ہضم کی اصلاح کے لیے زیادہ پُرتاثیر

کو پودینے کے جوہر اور دیگر مفید و مؤثر اجزا کے اضافے سے زیادہ قوی، پُرتاثیر اور خوش ذائقہ بنا دیا گیا ہے۔

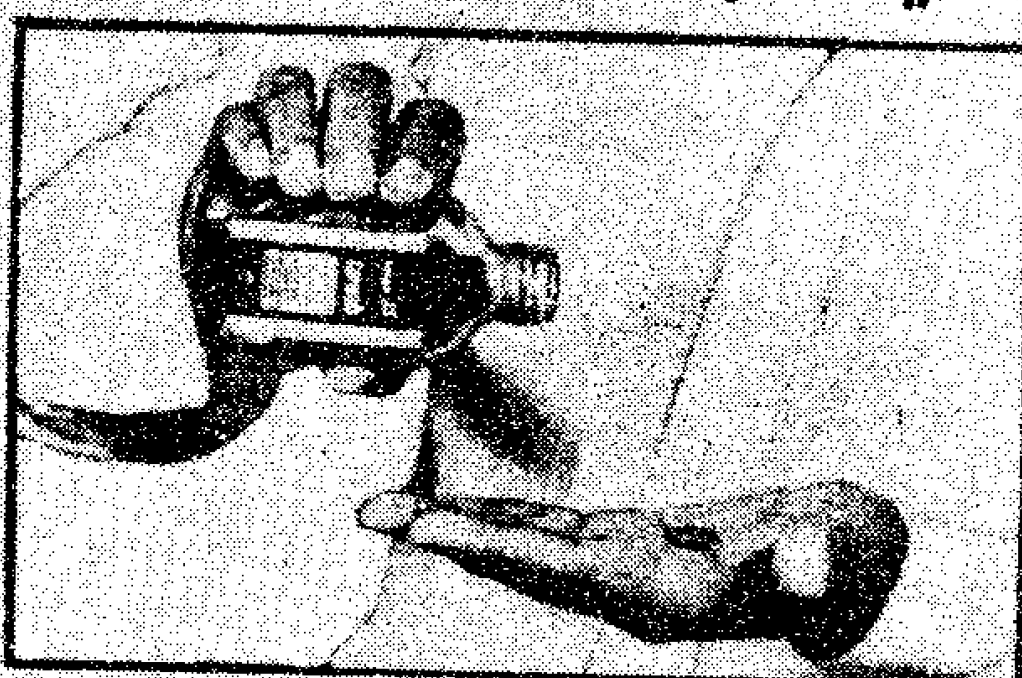

نئی کارمینا نظامِ ہضم کو بیدار کرنے، معدے اور آنتوں کے افعال کو منظم و دُرست رکھنے میں زیادہ کارگر ہے۔

انسان کی تن دُرستی کا زیادہ تر انحصار معدے اور جگر کی صحت مند کارکردگی پر ہے۔ اگر نظامِ ہضم درست نہ ہو تو دردِ شکم، بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن، گرانی یا بھوک کی کمی جیسی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں جس کے سبب غذا صحیح طور پر جُزوِ بدن نہیں بنتی اور صحت رفتہ رفتہ متاثر ہونے لگتی ہے۔

پاکستان اور دُنیا کے بہت سے ممالک میں ہمدرد کی کارمینا پیٹ کی خرابیوں کے لیے ایک مؤثر نباتی دوا کے طور پر شہرت رکھتی ہے۔ چونکہ یہ ہر گھر کی اہم ضرورت ہے اس لیے ہمدرد کی تجربہ گاہوں میں اس کی افادیت پر ہمہ وقت تحقیق و تجربات کا عمل جاری رہتا ہے۔ نئی کارمینا اسی تحقیق کا حاصل ہے۔ نئی کارمینا

بچوں، بڑوں سب کے لیے مفید **نئی کارمینا** ہمیشہ گھر میں رکھیے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

تحقیق، رُوحِ تخلیق ہے

Adarts

CAR- 4,88

© rasailojaraid.com